© rasailojaraid.com

جائے گا جس کی کوئی انتہا نہیں ہوگی۔

آخر میں ہم حکومت اور متعلقہ اربابِ حل و عقد سے یہ گذارش کرنا چاہتے ہیں کہ اس افسوس ناک صورتِ حال نے مسیحی عوامی حلقوں میں خوف و ہراس کی صورتِ حال پیدا کر دی ہے اور عدم تحفظ کا احساس پہلے سے شدید ہوگیا ہے کیوں کہ یوں کوئی بھی سرپھرا کسی بھی اقلیتی فرد کو ذاتی انتقام کا نشانہ بنانے کے لیے اس قسم کے مذہبی الزام لگا کر نہ صرف اسے رسوا اور بدنام بلکہ جان و مال تک سے محروم کر سکتا ہے۔ لہٰذا اکثریتی حلقوں کے دانشوروں، علمائے کرام اور حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ اس مرحلے پر اپنی ذمہ داری محسوس کریں تاکہ ان افسوس ناک واقعات کا اعادہ اور فروغ نہ ہونے پائے۔ کیوں کہ اسی میں ملک و قوم کی بقاء، استحکام، امن و انصاف اور فلاح و سالمیت ہے۔" (پندرہ روزہ "شاداب"، لاہور۔ ۳۱ جنوری ۱۹۹۲ء)

آسٹریا کے لیے پاکستان کے سفیر

معروف مسیحی دانشور اور رہنما جوشوا فضل الدین (م ۱۹۷۶ء) کا ذکر پاکستان کے لیے جداگانہ طریقِ انتخاب کے حوالے سے ہوتا رہا ہے۔ ان کے فرزند سموئیل ٹامس جوشوا کو آسٹریا میں پاکستان کا سفیر مقرر کیا گیا ہے۔ اطلاعات کے مطابق قیامِ پاکستان سے اب تک وہ تیسرے مسیحی ہیں جنہیں کسی ملک میں پاکستان کا سفیر مقرر کیا گیا ہے۔

سموئیل ٹامس جوشوا فارن سروس میں مختلف ملکوں میں اعلیٰ مناصب پر خدمات سرانجام دے چکے ہیں۔ انہوں نے عملی زندگی کا آغاز سیکرڈ ہارٹ کیتھیڈرل سکول لاہور سے کیا تھا۔

مسیحی خواتین اور تبدیلیٔ مذہب

[حزبِ اختلاف کی نشستوں پر بیٹھنے والے اقلیتی رکن قومی اسمبلی جناب جے۔ سالک کی قیادت میں "متقدد مسیحیوں" نے ۲ فروری ۱۹۹۲ء کو جن مطالبات کے حق میں احتجاجی جلوس نکالا ان میں سے ایک مطالبہ یہ تھا کہ "مسیحی خاتون کے مذہب تبدیل کرنے سے قبل اس کے خاندان اور شوہر کو ایک ماہ قبل نوٹس دیا جائے اور اتنا عرصہ اس خاتون کو دارالامان میں رکھا جائے۔" (روزنامہ "نوائے وقت" ۳ فروری ۱۹۹۲ء)

یہ مطالبہ جس پس منظر میں کیا جا رہا ہے، اس کا کچھ اندازہ پندرہ روزہ "شاداب" (لاہور) میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سیمسن جاوید کی شائع شدہ مندرجہ ذیل تحریر سے ہوتا ہے۔]

گزشتہ دنوں میری ملاقات ریورنڈ فادر یوسف سے یوتھ کے سلسلے میں ہوئی جس میں مختلف موضوعات زیرِ بحث آئے، جن میں سے ایک موضوع سول ہسپتال کوئٹہ میں ٹریننگ حاصل کرنے والی نرسز کا بھی تھا۔ یہ مسئلہ واقعی کوئٹہ کے مسیحیوں کے لیے کافی عرصے سے دردِ سر بنا ہوا ہے۔ مختلف اوقات میں مختلف گروپوں سے تعلق رکھنے والے مسیحیوں نے اس مسئلے کے حل کے لیے کئی اقدام کیے مگر وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے۔ ایک دفعہ ہمارے مذہبی رہنما بھی وزیر اعلیٰ بلوچستان سے اس سلسلے میں ملاقات کر چکے ہیں مگر بے سود۔ پھر ایک گروپ کی لیڈیز ونگ نرسز سے ملنے ان کے ہاسٹل میں گئیں مگر انہوں نے یہ کہہ کر انہیں بھگا دیا کہ یہ ہمارا ذاتی معاملہ ہے اور ہم خوب اچھی طرح جانتی ہیں کہ ہمارے لیے کیا اچھا ہے اور کیا برا ہے۔

میں اپنی نرسز بہنوں سے معذرت خواہ ہوں۔ نرسنگ ایک ایسا مقدس پیشہ ہے کہ جس کے خلاف قلم اٹھانا یا سوچنا بھی پاپ ہے۔ مجبوراً مجھے قلم اٹھانا پڑ رہا ہے۔ کہاوت مشہور ہے کہ "ایک مچھلی سارے جل کو گندہ کر دیتی ہے۔" اور کب تک ہم اپنی قوم کی تضحیک برداشت کرتے رہیں گے۔ اگر آج بھی ہم نے زبان نہ کھولی تو پتھر چلاّ اٹھیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک سرکاری ہسپتال کوئٹہ میں مقامی صرف دو نرسز ہوں گی۔ باقی تمام کا تعلق پنجاب سے ہے۔

صورتِ حال کچھ یوں ہے کہ بغیر روک ٹوک جب چاہے کوئی بلوچ یا پختون سرِ عام نرسز کو اپنی کار میں اٹھا لے جاتا ہے۔ سنا ہے کہ اس کام میں بہت سی اہم عہدوں پر فائز نرسز بھی برابر کی شریک ہیں۔ نئی نئی ٹریننگ پر آنے والی لڑکیوں کی نائٹ ڈیوٹی ڈاکٹر کی پسند سے لگا دی جاتی ہے۔ اور سیدھے سادے ماحول سے آئی ہوئی لڑکی دوسروں کی دیکھا دیکھی یہاں کے رنگ ڈھنگ میں رنگ جاتی ہے۔ شاید اس کی بڑی وجہ گھر سے کوسوں دور [ہونا ہے] جہاں اسے کوئی دیکھنے یا جاننے والا نہیں ہوتا اور یوں وہ سیدھے راستے سے بھٹک کر اتنی دور نکل جاتی ہے جہاں سے واپسی کے تمام راستے بند ہو جاتے ہیں۔

یہاں پر ایسے بے شمار واقعات دیکھنے میں آئے کہ مجبور ہو کر یا چمک دمک دیکھ کر غیر مذہب سے بھی شادی کر لیتی ہیں اور پھر کچھ عرصہ ساتھ گزارنے کے بعد ان کے خاوند انہیں گھر سے باہر نکال دیتے ہیں۔ پھر حالت یہ ہوتی ہے کہ "نہ گھر کے رہے نہ گھاٹ کے۔" ایسے واقعات سندھ میں بھی بہت سے ہو چکے ہیں اور ہو رہے ہیں۔ اس میں لڑکیوں کے والدین زیادہ قصوروار ہیں جو اپنی جوان بیٹیوں کو تن تنہا اپنی نظروں سے دور پردیس میں بھیج دیتے ہیں اور پھر چھٹیوں میں گھر آئی بیٹی سے یہ بھی پوچھنا گوارا نہیں کرتے کہ بیٹی! یہ دنیا جہان کا سامان تم کہاں سے اور کیسے لے آئی ہو اور اس پر

© rasailojaraid.com